برصغیر میں حنفی فقہ کا ارتقاء

محمد یوسف فاروقی

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر میں اسلام کا تعارف تو عہد رسالت میں ہی شروع ہو گیا تھا، غالب گمان یہ ہے کہ سب سے پہلے اہل ہندان تجارتی قافلوں کے ذریعہ اسلام سے متعارف ہوئے ہوں گے جو تجارتی سلسلہ میں عرب کی منڈیوں (اسواق) میں اپنا مال فروخت کرنے جایا کرتے تھے، ابلہ، دومۃ الجندل، عکاظ، صنعاء، نجران اور مآرب وغیرہ وہ منڈیاں تھیں جہاں ہندوستانی مال کثرت سے فروخت ہوتا تھا۔ ابلہ، بحرین اور عمان وہ بندرگاہیں تھیں جہاں ہندوستانی جہاز لنگر انداز ہوتے تھے۔

ہماری رائے میں دوسرا تعارفی رابطہ وفود اور سفراء کے ذریعہ قائم ہوا ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنہ ۵ ھ میں مختلف حکمرانوں، قبائلی سرداروں اور بعض علاقوں کے لوگوں سے اپنے سفراء کے ذریعہ رابطے قائم کیے تھے۔ ان میں وہ علاقے بھی شامل ہیں جن کی سرحدیں ہندوستان سے ملتی تھیں یا وہ ہندوستان سے بہت قریب تھے، مثلاً ایران، بحرین، اومان وغیرہ، ان علاقوں میں ہندوستان کے کچھ لوگ بھی آباد تھے، اور ہندوستان سے ان کے گہرے تجارتی روابط بھی تھے۔ ایرانیوں کے بارے میں تو یہ تاریخی ثبوت ملتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ۱۶ھ میں جب ایرانیوں کو شکست ہوئی اور بہت سے جنگی قیدی گرفتار ہوئے تو ان میں کچھ فوجی ہندوستانی بھی تھے جو ایرانی فوج میں شریک تھے[1]۔

علم وفن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں : (محدث ابوزرعہ)

حضرت عثمانؓ کے دور میں مسلم افواج سندھ اور بلوچستان تک پہنچ گئی تھی، بلوچستان میں قلات کا علاقہ حضرت علیؓ کے دور میں فتح ہو گیا تھا، اس طرح ہندوستان کے بعض علاقوں میں صحابہ کرامؓ کی آمد و قیام کا آغاز ہو چکا تھا اور ان کے ذریعہ یہاں کے باشندوں میں اسلام کی روشنی پھیلنا شروع ہو گئی تھی۲۔

بعض جدید محققین کے مطابق تقریباً ۲۵ کے لگ بھگ صحابہ کرامؓ وہ ہیں جو دعوت و جہاد کے سلسلہ میں ہندوستان تشریف لائے اور جن کے اسمائے گرامی تاریخ اور رجال و سیر کی کتب میں ملتے ہیں۔ انہوں نے اہل ہند تک اسلام کا پیغام پہنچایا، ان میں سے بہت سے صحابہ کرامؓ یہاں مدفون ہوئے۳۔

برصغیر کے بعض افراد نے صحابہ کرامؓ کے عہد میں اسلام قبول کیا تھا، ان میں کچھ حضرات ایسے تھے جنہوں نے قبول اسلام کے بعد نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا، ان میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابو زید بیلمانی تھے جن کا تعلق سندھ اور گجرات کے درمیان ساحلی علاقہ بھیلمان سے تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن نے قبول اسلام کے بعد بہت سے صحابہ کرام سے علم حاصل کیا۔ وہ خاص طور پر حضرت عمرؓ سے بہت متاثر تھے، انہیں بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام مثلاً حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص، حضرت سعید بن زیدؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عمرو بن اوس اور حضرت عمرو بن عبسہؓ وغیرہ سے روایت حدیث کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے علاوہ انہوں نے بہت سے جلیل القدر تابعین سے بھی اکتساب علم کیا۴۔

عبدالرحمٰن سندھیؒ حضرت انسؓ کے شاگرد تھے، ان کا تذکرہ امام بخاریؒ کی تاریخ کبیر میں ملتا ہے۔ اسی طرح بلوچستان کے ایک فرد اسماعیل بن ابراہیم قیقانی حضرت علیؓ کے عہد میں مشرف باسلام ہوئے، ان کی کنیت ابو البشر تھی، انہیں علم حدیث میں نمایاں مقام حاصل ہوا۵۔

سندھ اور بلوچستان وہ علاقے ہیں جہاں صحابہ کرام کی آمد کے آثار ملتے ہیں مثلاً حضرت ربیع بن زیاد حارثیؓ، عبدالرحمان بن سمرہ بن حبیب، سہل بن عدی خزرجی، عاصم بن عمرو التمیمی اور

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ : امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

عبداللہ بن عمیر الاشجعی وغیرہ سندھ اور بلوچستان میں بسلسلہ جہاد تشریف لائے[٦]۔

ہماری اس مختصر گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ ہند میں اشاعت اسلام کا آغاز دور خلافت راشدہ میں ہو چکا تھا۔ اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ سندھ و بلوچستان کے بعض علاقوں میں کچھ لوگ اسلامی طرز زندگی اختیار کر چکے تھے، یہاں کی بعض شخصیات کو صحابہ کرام کی صحبت اور ان سے شرف تلمذ حاصل تھا، جن میں سے بعض شخصیتیں علمی وفکری اعتبار سے اہم مقام حاصل کر چکی تھیں۔

اسلامی قانون اور نظام زندگی کے لیے بنیادی ماخذ قرآن وسنت ہیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی حصہ ایمان ہے، اسی طرح آپؐ کی متعین کردہ تعبیر وتشریح قرآن بھی حتمی ہے۔ امت مسلمہ نے عہد صحابہ سے ہمیشہ قرآن حکیم کو اسوہ حسنہ اور سنت طیبہ کی روشنی میں سمجھنے اور عمل کرنے کی کوشش کی، اور قرآن وسنت کے فہم اور عمل کو دوسروں تک منتقل کیا، البتہ اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آ جاتا جس میں قرآن وسنت خاموش ہوں تو علماء اور اہل حل وعقد کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ اجتہاد کے ذریعہ اپنے مسائل کا حل تلاش کر لیا کریں، چنانچہ قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ اجتہاد بطور دلیل وحجت عہد صحابہ سے استعمال ہوتا رہا ہے۔

صحابہ کرامؓ اور تابعین جو ہندوستان تشریف لائے یا یہاں کے باشندے جنہوں نے قرآن و سنت کا علم صحابہ اور تابعین سے حاصل کیا، انہوں نے یہاں کے حالات اور ضروریات کے مطابق اجتہاد بھی کیا ہوگا، سرزمین ہند کے معاشرتی، سیاسی معاشی اور تہذیبی حالات ومسائل اہل عرب سے مختلف تھے، اس لیے یہاں بہت سے نئے مسائل پیش آئے ہوں گے اور ان مسائل کا حل بھی انہوں نے اجتہاد کے ذریعہ حاصل کیا ہوگا۔

پہلی اور دوسری صدی ہجری میں یہاں علماء کرام نے جو اجتہادات کیے ہوں گے، یا اپنے اجتماعی امور سے متعلق مسائل کو شریعت کی حدود وقیود میں رہتے ہوئے جس طرح حل کیا ہوگا، ان کی تفصیلات کو اب جاننا بہت مشکل ہے۔ شاید ان کی اجتہادی آراء کو محفوظ کرنا ضروری بھی نہ سمجھا گیا ہو، کیونکہ اصل چیز جس کی حفاظت پر سارا زور تھا وہ تو کتاب اللہ اور سنت رسول تھی، انہیں ہر

حالت میں محفوظ رکھنے کی کوشش کی گئی۔

البتہ جب اجتہاد بطور فن ترقی کر گیا، اور اس کے اسالیب اور قواعد وضوابط طے پا گئے تو پھر اجتہادی آراء کو مع دلائل محفوظ کرنے کا رجحان پیدا ہوا، خاص طور پر جب فقہاء کے مشہور مکاتب وجود میں آ گئے تو ہر مکتبہ فقہ کے فقہاء نے اپنے دلائل اور طرز استدلال کو نہ صرف محفوظ کرنے کی کوشش کی، بلکہ اس قدر موثر انداز میں اسے پیش کیا کہ لوگ ان کی فقہی آراء، ان کے دلائل اور اسلوب استنباط سے متاثر ہوئے، اس طرح فقہاء کے مذاہب اہل علم اور عوام میں مقبول ہونے لگے۔ ان میں فقہاء اربعہ کے مذاہب کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی، کیونکہ ان مسالک سے وابستہ فقہاء نے اصول استنباط کو بہت علمی انداز میں پیش کیا، اور علم فقہ کو فنی طور پر بہت ترقی دی۔

برصغیر میں فقہ پر پہلی تصنیف

برصغیر میں سب سے زیادہ فقہ حنفی کو قبولیت حاصل ہوئی، اس کی اصل وجہ فقہ حنفی کی استدلالی قوت، جامعیت اور وسعت تھی جس نے یہاں کے علماء اور عوام دونوں کو متاثر کیا۔ اگرچہ یہاں بعض علاقوں میں فقہ شافعی کے پیروکار بھی رہے ہیں، مگر شافعی مسلک کو جنوبی ہند کے بعض خطوں کے علاوہ کہیں بھی عام قبولیت حاصل نہیں ہوئی، ایران اور وسطی ایشیا کے بعض ممالک میں شافعی مدرسہ کے نمایاں فقہاء رہے ہیں اور علم فقہ پر ان کا اچھا کام ہے، انہی کے زیر اثر یہاں مدراس، حیدر آباد دکن اور بعض اور خطوں میں شافعی مسلک کے لوگ رہے ہیں، مگر ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ یہ فضیلت غالباً فقہ شافعی ہی کو حاصل ہے کہ ہندوستان میں پہلی لکھی جانے والی فقہ کی کتاب فقہ شافعیؒ کے اصولوں کے مطابق لکھی گئی تھی۔

محمود غزنوی (۳۸۸ھ-۴۲۱ھ) ایک مجاہد حکمران ہی نہیں، بلکہ ایک اچھا عالم بھی تھا۔ علم فقہ پر اس کی گہری نظر تھی۔ غالباً یہ پہلا فرد تھا جس نے ہندوستان میں علم فقہ پر پہلی کتاب لکھی، اس کی کتاب **التفرید فی الفروع** کے نام سے مشہور ہے، اس کتاب میں محمود غزنوی نے فقہ شافعیؒ

کے مطابق احکام ومسائل کو بیان کیا۔ ایک عظیم فقیہ محمود بن شیبہؒ نے بعد میں اسے محمود غزنوی کے نسخہ سے نقل کیا تھا لیکن اب اس کتاب کا صرف تذکرہ ہی ملتا ہے، اس کا کوئی نسخہ یا مخطوطہ ابھی تک دریافت نہیں ہوا۔ بقول شبلی نعمانیؒ اس کتاب میں تقریباً ساٹھ ہزار مسائل مذکور ہیں، شبلی کی تحقیق کے مطابق غزنوی حنفی تھے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی صدیوں میں ہندوستان کے علماء اور طلبہ حجاز، مصر، شام و عراق وغیرہ کے علماء کی تحریروں سے استفادہ کرتے تھے، انہی کے لکھے ہوئے مسودے اور کتابیں درس وتدریس کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔

فتاویٰ

برصغیر میں جس چیز کی طرف زیادہ توجہ دی گئی وہ فتاویٰ کی تدوین ہے۔ یہاں کے حکمرانوں نے عدلیہ اور نظامِ قضا کی سہولت کے لیے تدوین فتاویٰ کی حوصلہ افزائی کی۔ برصغیر کے بعض حکمران خود بھی بڑے صاحب علم تھے اور وہ اپنے دور کے اہل علم کے ساتھ علمی وفقہی مسائل پر دلچسپی کے ساتھ گفتگو کیا کرتے تھے۔

غیاث الدین بلبن (۶۶۴ھ-۶۸۶ء) غالباً پہلے حکمران تھے جنہوں نے ایک ایسا مجموعہ فتاویٰ مرتب کرایا جو اس دور کی عدالتی ضروریات کو پورا کر سکے۔ غیاث الدین نے بہت سے علماء اور فقہاء کو دارالحکومت دہلی میں جمع کر لیا تھا، اس دور کے معروف فقیہ شیخ داود بن یوسف الخطیب نے ایک مجموعہ فتاوی مرتب کیا جو عربی زبان میں تھا اور جسے حنفی فقہاء کی آراء اور ان کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مرتب کیا گیا تھا۔ یہ ''فتاویٰ غیاثیہ'' کے نام سے مشہور ہے جو ایک عرصہ تک متداول رہا۔ اس فتاویٰ سے نہ صرف عدلیہ سے وابستہ حضرات مستفید ہوتے رہے، بلکہ علماء وفقہاء اور مفتیان کرام بھی اس مجموعہ فتاوی کو بطور حوالہ استعمال کرتے رہے۔

بلبن کے بعد آنے والے حکمرانوں نے بھی فتاویٰ کی تدوین واشاعت میں گہری دلچسپی

لی۔ جلال الدین فیروز خلجی (۶۸۸ھ-۶۹۰ء) کے دور میں معروف فقیہ مظفر کرامی نے فقہی احکام و مسائل کو عام لوگوں کی سہولت کے لیے سوال و جواب کے انداز میں جمع کیا، لیکن ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ اس کام کو تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ ان کی وفات کے بعد قبول خان قرا خان نے باقی حصہ کو مکمل کیا جو "**فتاویٰ قرا خانی**" کے نام مشہور ہوا۔ اس مجموعہ کی تدوین و ترتیب میں بھی حنفی مدرسہ فکر کے اصول و آراء کو مدنظر رکھا گیا ہے، اس فتاویٰ میں جا بجا فقہاء احناف کی کتابوں کے حوالے ملتے ہیں۔ ہند کے حکمرانوں کی علم فقہ میں دلچسپی اور ترویج و اشاعت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اچھے مخطوطات کو بھی شائع کرنے کا اہتمام کیا۔ مظفر کرامی کی ایک کتاب **فقہ فیروز شاھی** کے نام سے بھی مشہور ہے، جسے ان کی وفات کے بعد فیروز شاہ تغلق (۷۱۰ھ-۷۹۰ء) نے عام کیا تھا۔

سلطان محمد تغلق (متوفی ۷۹۵ھ) کے عہد میں امیر تاتار خان وزیر تھے جو بہت پڑھے لکھے انسان تھے، آپ مفسر قرآن بھی تھے، امیر تاتار خان کے توجہ دلانے پر شیخ فرید الدین عالم بن علاء (متوفی ۷۸۶ھ) نے ایک بہت مبسوط فتاویٰ مرتب کیا جو تیس جلدوں پر مشتمل تھا، یہ مجموعہ "**فتاویٰ تاتارخانیہ**" کے نام سے مشہور ہے۔

گجرات کے قاضی القضاۃ حماد الدین احمد کی ہدایت پر معروف فقیہ مفتی رکن الدین ناگوری اور ان کے صاحب زادے مفتی داؤد ناگوری نے ایک مجموعہ فتاویٰ مرتب کیا جو "فتاویٰ حمادیہ" کے نام سے موسوم ہے، اس فتاویٰ میں بھی حنفی مسلک کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ فقہ کی امہات کتب کے تقریباً دو سو حوالے اس مجموعہ میں ملتے ہیں۔ اس مجموعۂ فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی ترتیب و تدوین میں شافعی مدرسہ فکر کی امہات کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

قاضی احمد بن محمد نظام الدین جونپوریؒ نے غالباً جونپور کے سلطان ابراہیم شرقی (۸۰۴ھ-۸۴۰ یا ۸۴۴ء) کی فرمائش پر مسائل و احکام پر مشتمل مجموعہ مدون کیا جو "**فتاویٰ ابراھیم شاھی**" کے نام سے مشہور ہے، یہ فتاویٰ دو حصوں پر مشتمل ہے: پہلا حصہ عبادات پر مشتمل ہے جو

عام لوگوں کے استفادہ کے لیے ہے۔ یہ حصہ فارسی زبان میں ہے، دوسرا حصہ معاملات پر مشتمل ہے جو اہل علم کے استفادہ کے لیے لکھا گیا ہے۔ یہ حصہ عربی زبان میں ہے۔

مشہور حکمران ظہیر الدین بابر (۸۸۸ھ-۸۸۹ء) بھی اس کام میں پیچھے نہیں رہے۔ بابر انتظامی اور عسکری صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ علوم وفنون میں بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے، انہیں فارسی اور ترکی زبانوں پر گہرا عبور حاصل تھا، فن خطاطی سے خاص دلچسپی رکھتے تھے، بابر ایک مستقل خط کے بانی بھی ہیں جو خط بابری کہلاتا ہے۔ بابر کے اصرار پر شیخ نور الدین خوافی نے ایک فتاویٰ مرتب کیا، یہ مجموعہ فتاوی بابری کے نام مشہور ہے۔

بعد ازاں اورنگ زیب عالمگیرؒ (۱۰۶۸ھ-۱۱۱۸ء) نے علم فتاوی کو عروج پر پہنچا دیا۔ عالمگیر خود بھی فقہی اصول وجزئیات پر عبور رکھتے تھے اور علماء وفقہاء کے لیے علمی مجالس کا اہتمام کیا کرتے تھے، انہوں نے شیخ نظام الدین برہان پوریؒ کی سربراہی میں ایک بہت بڑی کمیٹی تشکیل دی جس میں ہندوستان بھر کے چیدہ وجید علماء شریک تھے۔ مؤرخین نے اس کمیٹی کے ۲۷ یا ۲۸ علماء کے حالات زندگی کو جمع کیا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کا منصوبہ تقریباً آٹھ سال میں مکمل ہوا۔ یہ فتاویٰ بھی حنفی مکتب فکر کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس میں احناف کی ان آراء کو لیا گیا ہے جو مفتیٰ بہ ہیں، اگر کسی مسئلہ میں ایک سے زائد اقوال پائے جاتے ہیں اور ان میں کوئی بھی دلائل کی بنیاد پر قابل ترجیح نہیں ہے تو ان تمام اقوال کو بیان کر دیا گیا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری عربی زبان میں مدون ہوا تھا، عام لوگوں کے استفادہ کے لیے عالمگیر نے اپنے دور میں ہی اس کا فارسی ترجمہ کرالیا تھا، بعد میں اس کا اردو ترجمہ سید امیر علی ملیح آبادی نے کیا جو فتاوی ہندیہ کے نام سے شائع ہوا۔

برصغیر کے یہ ان چند فتاوی کا ذکر ہے جو مسلم حکمرانوں کے دور میں مرتب ہوئے۔ ان فتاویٰ میں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی سے متعلق تمام پہلوؤں پر شرعی نقطہ نگاہ سے بحث ملتی ہے۔ ان فتاویٰ پر سرسری نظر ڈالی جائے تو ان میں ایک ارتقائی سلسلہ بھی نظر آتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر دور میں فتاویٰ کے نئے مجموعہ کی ضرورت محسوس کی جاتی رہی، اور مسلم حکمران مختلف حالات اور زمانوں

میں نئے مجموعہ فتاویٰ کی ضرورت محسوس کرتے رہے۔ ان فتاویٰ کے مرتبین نے شرعی نقطہ نگاہ کو واضح کرتے ہوئے اپنے دور اور اپنے حالات کو بھی ملحوظ رکھا۔ ان فتاویٰ میں سب نے ہی حنفی فقہ کی اتباع کی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ برصغیر میں حکمران ہمیشہ یہ محسوس کرتے رہے کہ شریعت کی تعبیر و تشریح سب سے بہتر اور قابل عمل وہی ہے جو فقہاء احناف پیش کرتے ہیں۔ فقہاء احناف نے اپنے دلائل کو خوب منطقی انداز میں پیش کیا ہے۔

مذکورہ فتاویٰ میں بہت سے فتاویٰ فقہ پر مستقل کتب کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ فتاویٰ کے طرز پر سوال و جواب کے انداز میں نہیں لکھے گئے۔ فتاویٰ عالمگیری کو بھی ہم فقہی احکام کی ایک جامع کتاب کہہ سکتے ہیں جس میں احناف کے مفتیٰ بہ اقوال کو فقہی ترتیب کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔

فن فتاویٰ نے غیاث الدین بلبن کے عہد سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر کے دور تک جو ارتقائی مراحل طے کیے، اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کئی صدیوں تک احکام و مسائل کی جامع اور مستند کتاب کی حیثیت سے متداول رہی ہے۔ ہندوستان کے عدالتی نظام میں اس کا مؤثر کردار رہا ہے، بلکہ تقسیم ہند کے بعد بھی علماء کے ایک طبقہ کی یہ رائے رہی ہے کہ فتاویٰ عالمگیری آج بھی شریعت اسلامیہ کے نفاذ اور عدالتی نظام کے لیے ایک مکمل کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

بدقسمتی سے علم الفتاویٰ کا یہ ارتقائی سلسلہ اس وقت رک گیا جب ہندوستان پر استعماری قوتیں غالب آ گئیں۔ انگریزوں کے تسلط کے بعد عدالتی نظام کی رہنمائی کے لیے فتاویٰ عالمگیری کے طرز کے فتاویٰ کی ضرورت نہیں تھی، لیکن اسلامیان ہند کی عام رہنمائی کے لیے اور تبدیل شدہ حالات میں جو مسائل لوگوں کو پیش آ رہے تھے، ان میں شریعت کا نقطہ نگاہ بتانے کے لیے علماء نے افتاء کے ادارہ کو کسی نہ کسی شکل میں محفوظ رکھنے کی کوششیں کیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی مساعی اس سلسلہ میں قابل ذکر ہیں۔

انگریز حکمرانوں کے دور میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی شخصیت عامۃ المسلمین کے لیے

کیا آپ کو معلوم ہے کہ : ☆ قانونِ شریعت ہی کا دوسرا نام فقہِ اسلامی ہے ☆

مرکزی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔لوگ ان سے اپنے روزمرہ کے امور کے علاوہ اس دور کے معاشرتی اور سیاسی امور کے بارے میں بھی مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔

شاہ عبدالعزیزؒ نے مختلف اوقات وحالات میں اٹھائے گئے سوالوں کے تحریری جواب دیے تھے، بعد میں انہیں کتابی شکل میں مرتب کر دیا گیا، یہ مجموعۂ فتاویٰ عزیزی کے عنوان سے شائع ہوا۔

''فتاویٰ عزیزی'' میں زیادہ تر وہ فقہی احکام بیان کیے گئے ہیں جو اس خطہ کے لوگوں کو عملاً درپیش تھے، مثلاً رشوت، سود، انگریزوں کی ملازمت، انگریزی تعلیم اور شادی بیاہ کی رسوم ورواج وغیرہ۔اس مجموعہ فتاویٰ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک فقہ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔اس مجموعۂ فتاویٰ میں کلامی مباحث بھی ہیں اور مسائل تصوف بھی، عبادات سے متعلق احکام بھی ہیں اور سیاست وخلافت کے مسائل پر گفتگو بھی، احکام عقائد بھی مذکور ہیں اور فقہی اصول وکلیات بھی۔

شاہ عبدالعزیزؒ نے احکام ومسائل کی وضاحت میں احناف کے مسلک کو پیش نظر رکھا ہے اور ساتھ ہی امام ابوحنیفہؒ کے مقرر کردہ بعض جامع قواعد کو بھی بیان کیا ہے۔اس طرح فتاویٰ عزیزی کا مطالعہ کرنے والے میں فقہی بصیرت اجاگر ہوتی ہے اور وہ فقہی مسائل کو بہتر طریقہ پر سمجھنے لگتا ہے۔

شاہ صاحب کے بعض فتاوی بہت معرکہ آرا ہیں، مثلاً یہ کہ انہوں نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا، اس فتویٰ نے مستقبل میں آزادی کی تحریکوں کے لیے راہ ہموار کی، اسی طرح انگریزوں کی ملازمت کی بعض صورتوں کو مکروہ، حرام اور مفضی الی الکفر قرار دیا۹۔

شاہ صاحب کے بعد افتاء کا ادارہ اس انداز سے تو باقی نہیں رہا، لیکن دینی مدارس اور بعض نمایاں فقہاء نے دارالافتاء قائم کیے جہاں سے لوگوں کو بوقت ضرورت فتاویٰ مل جاتے تھے، مدارس میں باقاعدہ مفتی فتویٰ لکھتے تھے اور وہ فتویٰ تحریری شکل میں لوگوں کو دیا جاتا تھا۔زیادہ تر لوگ وہی مسائل پوچھتے تھے جو انہیں اپنی دینی زندگی سے متعلق پیش آتے تھے، ان میں ''فتاویٰ

☆ قال الشافعي رحمه الله تعالى: الفقهاء كلهم عيال ابي حنيفه في الفقه ☆

رشیدیہ'' مولانا رشید احمد گنگوہی اور ''فتاویٰ افریقہ'' اور ''فتاویٰ رضویہ'' مولانا احمد رضا خان زیادہ مشہور ہیں۔

احکام و مسائل

فقہی مسائل و احکام پر یہاں کے علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، لیکن زیادہ توجہ حنفی فقہ کی ان بنیادی کتابوں کی طرف رہی جو یہاں مدارس میں شامل نصاب رہی ہیں۔ ان کتب میں سر فہرست مرغینانی کی مشہور کتاب **الھدایہ** ہے۔ **ھدایہ** کی نہ صرف شرحیں لکھی گئیں، بلکہ بہت سے علماء نے اس پر حواشی بھی لکھے۔ شروح میں شیخ حمید الدین مخلص الدھلوی (متوفی ۷۶۴ھ) کی **شرح الھدایہ** اور شیخ خداداد الدھلوی کی **شرح الھدایہ** شامل ہیں، حواشی لکھنے والوں کی تعداد درجن سے اوپر ہے۔ ہر محشی نے اپنے اپنے انداز میں یہ کوشش کی کہ کتاب کے مشکل مباحث کو سہل انداز میں بیان کر دیا جائے، احناف کے دلائل کو بہتر انداز میں پیش کیا جائے اور عقلی و نقلی دلائل کی مزید مثالیں دے دی جائیں۔

شروح اور حواشی عربی زبان میں علماء اور علوم دینیہ کے طلباء کے لیے لکھے گئے۔ اس معروف کتاب کو عام لوگوں کے لیے مفید و سہل بنانے کی خاطر اس کے فارسی تراجم بھی کیے گئے۔ شیخ عبدالحق سرہندی اور غلام یحییٰ بہاری نے فارسی میں ترجمہ کیا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ عام تعلیم یافتہ افراد بھی اس علمی ذخیرہ سے فائدہ اٹھانے لگے۔ اردو زبان کو جب ہندوستان میں فروغ حاصل ہوا تو اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوگیا، سید امیر علی ملیح آبادی نے اسے اردو زبان میں منتقل کیا۔

اسی طرح فقہ کی دوسری معروف کتاب **شرح الوقایہ** کی شرح **السعایہ** شیخ عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنوی نے لکھی، انہی مصنف نے **عمدۃ الرعایہ** کے نام سے ایک اور شرح لکھی، لیکن آخر الذکر شرح وہ مکمل نہ کر سکے، بعد میں مولوی عبدالحمید بن عبدالحلیم لکھنوی اور مولوی عبدالعزیز بن عبدالرحیم لکھنوی نے اس شرح کی تکمیل کی۔ حواشی لکھنے والوں کی فہرست یہاں بھی طویل ہے۔

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

حنفی فقہ کی تیسری بنیادی کتاب کنز الدقائق ہے۔ علماء ہند نے اس کتاب کی بھی شرحیں لکھی ہیں: ملتقط الحقائق شرح کنز الدقائق شیخ عنایت اللہ لاہوری نے لکھی، ایک اور شرح کنز الدقائق کے نام سے مولوی محمد شکور بن امانت علی جعفری نے تصنیف کی۔ عام لوگوں کے استفادہ کے لیے مولوی محمد سلطان بریلوی نے اسے فارسی میں منتقل کر دیا، فارسی ترجمہ کا نام **تحفة العجم فی فقه الامام الاعظم** تجویز کیا گیا۔ مولانا محمد احسن نانوتویؒ نے اس فقہی خزانہ کو اردو زبان میں منتقل کر دیا۔

ہندوستان میں فقہاء احناف نے فقہ پر مستقل کتابیں بھی لکھیں۔ آٹھویں صدی ہجری کے فقیہ شیخ عمر بن اسحاق غزنوی (۷۰۴ھ-۷۷۳ھ) جو شیخ سراج الدین ہندی کے نام سے مشہور ہیں، ایک عرصہ تک مصر میں قاضی القضاۃ ابن الترکمانی کے نائب کی حیثیت سے قاضی کے فرائض انجام دیتے رہے، مصر میں جہاں اس زمانہ میں شافعی علماء قاضی ہوا کرتے تھے، شیخ سراج الدین ہندی حنفی ہونے کے باوجود اپنی صلاحیت و قابلیت کی بنیاد پر اس منصب پر فائز ہوئے، علم فقہ میں ان کی مشہور کتابیں یہ ہیں: **زبدة الاحکام فی اختلاف ائمة الاعلام ، عدة الناسک فی المناسک ، الشامل فی الفقه** ۱۰۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸ھ-۱۰۵۲ھ) نے **فتح المنان فی تایید مذهب النعمان** لکھی، شاہ ولی اللہؒ نے **الانصاف فی بیان سبب الاختلاف** اور **عقد الجید فی احکام الاجتهاد و التقلید** لکھیں، ان کتابوں میں اپنے موضوع پر اصولی بحث کی گئی ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی (متوفی ۱۳۲۵ھ) کی کتاب **ما لا بد منه** فقہی احکام و مسائل پر مقبول عام کتاب رہی ہے۔ قاضی ثناء اللہ مرحوم کے بعض رسائل بھی مشہور ہیں۔ ایک رسالہ حرمت واباحت سود پر تحریر کیا ہے اور دوسرا رسالہ حرمت متعہ پر لکھا ہے ۱۱۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی (۱۲۶۴ھ-۱۳۰۴ھ) اپنے دور کے بڑے فقیہ تھے۔ انہوں نے اپنے دور کے بعض مسائل پر بہت علمی اور فقہی انداز میں بحث کی ہے مثلاً ان کی کتاب **الفلک**

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

المشحون فیما یتعلق بانتفاع المرتهن بالمرهون ،الافصاح عن شهادة المرء ة فی الارضاع ،ترویح الجنان بتشریب الدخان ،زجر ارباب الریان عن تشریب الدخان ،تحفة الطلبه فی تحقیق مسح الرقبه ،الهسهسه بنقض الوضوء بالقهقهه، احکام القنطره فی احکام البسملة ،الانصاف فی حکم الاعتکاف اور **امام الکلام فیما یتعلق بالقراء ة خلف الامام** وغیرہ۔

احکام فقہیہ کے علاوہ علماء احناف کے حالات اور ان کی علمی خدمات پر بھی ایک کتاب **الفوائد البهیة فی تراجم الحنفیة** تصنیف کی[۱۲]۔ ان کے علاوہ فقہ کے مختلف موضوعات پر اور بہت سی مستقل کتابیں لکھی گئیں، جن سے نہ صرف علماء نے استفادہ کیا، بلکہ عام تعلیم یافتہ افراد بھی منتفع ہوتے رہے۔ مثلاً مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب **تحذیر الاخوان فی مسالة الربا ،القول الصواب فی مسئله الحجاب** اور **القول البدیع فی اختصاص المطر للتجمیع**۔

اصول فقہ

ہند کے فقہاء احناف نے علم اصول فقہ کی بھی خدمت کی۔ اس فن میں ان کا کردار بہت نمایاں ہے۔ اصول فقہ میں کام کرنے والے علماء کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک تو وہ جنہوں نے بیرون ہند کے فقہاء احناف کی اصول کی کتابوں پر کام کیا۔ ان کی شروح یا حواشی لکھے، ان میں بعض فقہاء ایسے تھے جن کے حاشیہ یا شرح کی وجہ سے اصل کتاب کو دوام حاصل ہوا، ان کی حیثیت محض شارح کی نہیں، بلکہ اس فن میں انہوں نے اضافہ کیا اور ان کی تحریر کردہ شرح کو ایک مستقل کتاب کی حیثیت حاصل ہوگی۔

فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی (متوفی ۴۸۲ھ) کی اصول فقہ پر معروف کتاب **کنز الوصول الیٰ معرفة الاصول** ہے، جن بہت سے فقہاء ہند نے اس کتاب کی شرحیں لکھی ہیں،

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

ان میں نمایاں فقہاء قاضی شہاب الدین دولت آبادی (متوفی ۸۴۹ھ)، شیخ سعد الدین خیر آبادی (متوفی ۸۸۳ھ)، شیخ الہ داد جونپوری (متوفی ۹۳۲ھ)، شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی (متوفی ۹۷۸ھ) اور شیخ معین الدین دہلوی شامل ہیں۔ اسی طرح اصول فقہ کی دوسری کتاب حسام الملۃ محمد بن محمد (متوفی ۶۴۳ھ) کی **الحسامی** ہے۔ اس کتاب کی بھی بہت سی شرحیں تحریر کی گئیں۔ شیخ سعد الدین خیر آبادی اور شیخ یعقوب ابو یوسف لاہوری نے شروح لکھیں اور کچھ فقہاء نے اس کتاب پر حواشی لکھے ہیں، ان میں ملا عبد الحکیم سیالکوٹی (متوفی ۱۰۶۷ھ) اور قاضی عبد النبی احمد نگری (متوفی ۱۱۴۴ھ) کے حواشی مشہور ہیں۔

عبد اللہ النسفی (متوفی ۷۱۰ھ) کی کتاب **المنار** کی متعدد شروح اور حواشی لکھے گئے، اس کتاب کی سب سے اہم اور اچھی شرح شیخ احمد المعروف بہ ملا جیون (متوفی ۱۱۳۰ھ) کی **نور الانوار** ہے۔ ملا جیون کی اس شرح کی وجہ سے یہ کتاب نہ صرف زندہ ہے، بلکہ مرور وقت کے ساتھ اس کی مقبولیت بڑھتی رہی۔ آج بھی سینکڑوں مدارس میں یہ کتاب باقاعدہ داخل نصاب ہے۔

صدر الشریعہ (متوفی ۷۴۷ھ) کی **التنقیح** اور **التوضیح** کی بھی متعدد شروح لکھی گئیں۔ ان شروح اور حواشی نے اصول فقہ میں ایک فلسفیانہ نکھار پیدا کیا۔ ملا عبد الحکیم سیالکوٹی نے **التوضیح علی التلویح** پر بہت علمی کام کیا ہے۔

برصغیر کے فقہاء نے اصول فقہ پر مستقل کتابیں بھی لکھیں ہیں، ان میں سب اہم اور معرکہ آرا کتاب محب اللہ بہاری (متوفی ۱۱۱۹ھ) کی **مسلم الثبوت** ہے یہ کتاب اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس میں استدلال بالنقل اور استدلال بالعقل کو بہت جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اصولی مباحث کو فلسفیانہ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے کہ قاری ان کی رائے سے اتفاق کرتا چلا جاتا ہے، یہ کتاب نہ صرف ہندوستان کے علماء میں بہت مقبول ہوئی، بلکہ اسلامی دنیا میں بھی اس کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ ہندوستان کے دینی مدارس میں منتہی طلبہ کے لیے یہ کتاب شامل نصاب

ہے۔

دوسری اصول فقہ کی بنیادی کتاب **نور الانوار** ہے، اگرچہ اس کا تذکرہ ہم نے المنار کی شرح کے طور پر گزشتہ صفحات میں کیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے **نور الانوار** کی حیثیت ایک مستقل کتاب کی ہے۔ یہ کتاب بھی ہمارے مدارس میں داخل نصاب ہے۔

اصول فقہ پر کچھ کتابیں مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں۔ ان میں ایک اہم کاوش صاحبزادہ میاں محمد چمکنی (۱۳۳۰ھ) کی **برھان الوصول فی بیان الاصول** ہے[۱۳]۔ یہ ایک مختصر مگر جامع کتاب ہے اور امہات کتب اصول کا خلاصہ ہے۔ اس کتاب میں **اصول بزدوی، اصول السرخسی، التنقیح، التوضیح، المحصول، المنھاج** وغیرہ سے استفادہ کیا گیا ہے[۱۴]۔

اس دور کے فقہاء میں حنفیت کے تعصب کی جھلک نظر نہیں آتی، چنانچہ محب اللہ بہاری، صاحبزادہ میاں محمد چمکنی، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز کی تحریروں میں کہیں بھی تعصب کا اثر نظر نہیں آتا۔ یہ حضرات دیگر فقہاء کی آراء کو بھی بیان کرتے ہیں، بلکہ شیخ محب اللہ بہاری، میاں چمکنی اور شاہ عبدالعزیز کے ہاں تو یہ کوشش نظر آتی ہے کہ حنفی و شافعی مسالک میں جس قدر ممکن ہو، وہ جمع و توفیق کرتے ہیں۔

فقہی تفاسیر[۱۴]

قرآن حکیم فقہ اسلامی کا بنیادی ماخذ ہے، اس لیے فقہاء کے ایک طبقہ میں یہ رجحان رہا ہے کہ قرآن کریم کا فقہی پہلو سے مطالعہ کیا جائے، اور فقہی اسلوب میں ہی اس کی تفسیر لکھی جائے۔ چنانچہ فقہاء ہند خصوصاً احناف نے اس طرف توجہ دی اور احکام القرآن کے طرز پر فقہی تفاسیر لکھیں۔

ہندوستان میں غالباً شیخ احمد جیون وہ فقیہ تھے جنہوں نے فقہی تفسیر کی طرف توجہ دی اور **التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ** کے نام سے تفسیر لکھی۔ ملا جیون نے

جصاص کے طرز پر آیات احکام کا انتخاب کیا اور پھر ان آیات سے تین قسم کے مسائل کا استنباط کیا ہے، اولاً فقہی مسائل، دوسرے قواعد فقہیہ اور تیسرے کلامی مسائل۔ ملاجیون کی نظر آیات کے صرف ظاہری مفہوم تک محدود نہیں رہتی، بلکہ وہ گہرائی میں جا کر بہت حکیمانہ انداز میں آیات احکام کی تشریح کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ملاجیون صرف فقیہ ہی نہیں تھے وہ باعمل صوفی بھی تھے۔ اجماع، قیاس اور خبر واحد کی حجیت پر بھی لطیف انداز میں استدلال کرتے ہیں۔

شیخ احمد آیات قرآنی سے ثابت ہونے والے احکام کی درجہ بندی بھی کرتے جاتے ہیں۔ وہ ساتھ ساتھ بتاتے ہیں کہ مذکورہ حکم واجب کا درجہ رکھتا ہے یا سنت و مستحب کا۔ اسی طرح ممنوعہ احکام کی بھی وضاحت کرتے ہیں کہ ممانعت حرمت کے درجہ میں ہے یا کراہت کے درجہ میں۔

قاضی ثناءاللہ پانی پتی (متوفی ١٣٢٥ھ) نے التفسیر المظھری کے عنوان سے فقہی تفسیر تحریر کی، لیکن قاضی صاحب نے احکام القرآن کے قدیم اسلوب سے ہٹ کر مکمل قرآن کریم کی تفسیر لکھی ہے، اپنی کاوش کو صرف آیات احکام تک محدود نہیں رکھا۔

اس تفسیر میں قاضی صاحب احناف کی آراء اور ان کے اصول استنباط کو پیش نظر رکھتے ہیں، لیکن کہیں کہیں وہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔ جہاں اختلاف کرتے ہیں، وہاں بہت لطیف پیرایہ میں اپنی دلیل بھی پیش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک مشہور مسئلہ ہے کہ عقود و فسوخ میں اگر عدالت ظاہری شواہد کی بنیاد پر کوئی غلط فیصلہ کر بیٹھے تو وہ فیصلہ کیا صرف ظاہراً نافذ ہوگا، یا ظاہراً و باطناً دونوں طرح نافذ ہوگا۔ اس مسئلہ میں جمہور کی رائے یہ ہے کہ وہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا، باطناً نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ فیصلہ ظاہراً و باطناً دونوں طرح نافذ ہوگا، امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حضرت علیؓ کا وہ فیصلہ ہے جس میں انہوں نے اس قسم کے مسئلہ میں یہ کہہ کر ایک خاتون کو مطمئن کیا تھا کہ شاھداک زوّجاک کہ اگر تمہارا نکاح پہلے باقاعدہ نہیں ہوا تھا تو بھی کوئی حرج نہیں، اب دو گواہوں کی گواہی اور عدالت کے فیصلہ سے تمہارا نکاح بھی منعقد ہوگیا ہے، جبکہ جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ ایسی صورت میں عدالت کا فیصلہ صرف ظاہراً جاری و نافذ ہوگا،

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ : امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

باطناً نافذ نہیں ہوگا۔ قاضی ثناء اللہؒ سورہ بقرہ کی آیت مبارکہ **ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل و تدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقًا من اموال الناس بالاثم و انتم تعلمون** (البقرہ ۲:۱۸۸) سے استدلال کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کی رائے سے اختلاف کرتے ہیں۔ **تفسیر مظہری** میں اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں جن سے قاضی صاحب کی وسعت فکرو نظر کا پتہ چلتا ہے۔

احکام القرآن پر تیسرا اور سب سے زیادہ جامع کام وہ ہے جو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی زیرنگرانی فقہاء کی ایک جماعت نے انجام دیا ہے۔ مولانا تھانوی نے چار جید علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دیدی تھی، جس کے ارکان یہ حضرات تھے۔

۱۔ مولانا ظفر احمد عثمانی ۲۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی

۳۔ مفتی محمد شفیع ۴۔ مفتی جمیل احمد تھانوی

اس کمیٹی کے ذمہ یہ کام سپرد کیا گیا کہ حنفی فقہ کے ادلہ اور اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے جصاص کی احکام القرآن کے طرز پر ایک مبسوط تفسیر مرتب کردی جائے اور احناف کا نقطہ نگاہ اور ان کے دلائل کو زیادہ بہتر اور علمی انداز میں پیش کیا جائے۔ شروع میں اس کتاب کا نام **دلائل القرآن علی مسائل النعمان** تجویز ہوا تھا، لیکن جب مولانا ظفر احمد عثمانی نے پہلی دو جلدوں کا کام سورۃ النساء کے اختتام تک مکمل کرلیا تو یہ محسوس کیا گیا کہ یہ کام صرف دلائل النعمان تک محدود نہیں ہے، بلکہ فقہ و اصول، عقائد و سلوک، دعوت وارشاد وغیرہ سارے ہی احکام و مسائل اس میں آ گئے ہیں، اس لیے اس کا نام **احکام القرآن** رکھا گیا۔

اس کمیٹی کے پہلے تین حضرات کا کام چار جلدوں میں ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی کی جانب سے شائع ہو چکا ہے۔ مفتی جمیل احمد صاحب کا مسودہ تحریری شکل میں موجود ہے، جو ابھی تک شائع نہیں ہو سکا[۱۵]۔

مولانا اشرف علی تھانوی خود اس منصوبہ کی نگرانی فرماتے تھے اور مختلف مواقع پر نہ صرف یہ کہ

ضروری ہدایات فرماتے تھے، بلکہ قرآنی احکام کے سلسلے میں جو دقیق نکات ان کے ذہن میں پیدا ہوتے تھے وہ خاص طور پر لکھوادیا کرتے تھے، اس طرح حضرت تھانویؒ کے بہت سے لطیف نکات اس میں آگئے ہیں۔ احکام القرآن کے پانچ حصے شائع ہونے کے باوجود ابھی قرآن کریم کا بہت سا حصہ باقی ہے، شاید اس کی مزید چار یا پانچ جلدیں شائع ہوں گی۔ یہ ادھورا کام جب مکمل ہو جائے گا تو یقیناً علوم فقہ اور احکام القرآن پر یہ ایک ایسی جامع دستاویز اور دائرہ معارف ہوگا جس سے عالم اسلام کے اہل علم بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

حنفی فقہ کے لیے برصغیر کے فقہاء کی خدمات کا ہم نے مختصراً جائزہ لیا ہے۔ ہماری اس بحث سے اس بات کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہاں پانچویں صدی ہجری سے فقہ پر علمی اور فنی لحاظ سے بہت معیاری کام کا آغاز ہو گیا تھا۔ اصول فقہ پر جن شروح، حواشی اور مستقل کتابوں کا ہم نے ذکر کیا ہے، ان کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس خطہ کے فقہاء وسعت علم، دقت نظر اور قوت استدلال میں بہت نمایاں رہے ہیں۔

ہم نے اس مقالہ میں فقہ کے چار علوم کو ذکر کیا ہے۔ فتاوی، اصول فقہ، احکام القرآن اور فقہ پر عام کتب۔ ان چاروں شعبوں میں فقہاء برصغیر کی خدمات اس قدر نمایاں ہیں کہ اگر عالم اسلام کے فقہاء کے ساتھ تقابل کیا جائے تو بعض پہلوؤں سے یہاں کے فقہاء قائدین علم فقہ کی صف میں نظر آتے ہیں۔

علماء برصغیر کی ان علمی خدمات کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اس خطہ میں فقہ حنفی کو اہل علم اور عوام دونوں میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی، دراصل اس وسیع پیمانہ پر علمی کام کی وجہ سے یہاں کے لوگوں کو قانون کی تعبیر و تشریح کے لیے احناف کی رائے اور ان کے دلائل پر اطمینان قلب حاصل ہو گیا تھا، اور وہ پورے اعتماد کے ساتھ اس فکر اور مسلک سے وابستہ ہوتے چلے گئے۔

حواشی

۱- قاضی اطہر مبارکپوری، العقد الثمین فی فتوح الهند و من ورد فیها من الصحابة و التابعین (بمبئی ۱۹۶۸ء)، ص ۳۵-۳۶

۲- محمد اسحق بھٹی، برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ (ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۷۳ء)، ص ۱۷

۳- محمد اسحاق بھٹی، برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش (ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۹۰ء)، ص ۴۱

۴- قاضی اطہر مبارکپوری، العقد الثمین ص ۲۱۸، محمد اسحاق بھٹی، برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش بحوالہ طبقات بن سعد ج ۵، ص ۵۳۶

۵- محمد اسحاق بھٹی، حوالہ بالا ص ۱۰۵ بحوالہ امام بخاری، التاریخ الکبیر ج ۲، ص ۲۹۵

۶- محمد اسحاق بھٹی، برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ، ص ۱۷

۷- شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان، ص ۲۳۲

۸- محمد اسحاق بھٹی، برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ، ص ۲۶۳-۲۶۷

۹- شاہ عبدالعزیز، فتاوی عزیزیہ ترجمہ مولوی عبدالواحد غازیپوری (ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۹۷۶ء ۱۳۹۶ھ)، ص ۵۵۴

۱۰- عبدالحی الحسنی لکھنوی، الثقافة الاسلامیه فی الهند، (دمشق ۱۹۸۳ء)، ص ۱۰۵ تا ۱۰۷: رحمان علی، تذکرہ علماء ہند، (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی ۱۹۶۱ء)، ص ۱۴۲

۱۱- عبدالحی لکھنوی، الثقافة الاسلامیة، ص ۱۱۲، ۱۱۳، تذکرہ علماء ہند ص ۲۸۹

۱۲- ایضاً

۱۳- چمکنی کے مخطوط برهان الوصول پر محمد طاہر منصوری نے تحقیقی کام کیا ہے اور جامعہ پنجاب سے ۱۹۹۶ء میں اس پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

۱۴- عبدالحی لکھنوی، الثقافة الاسلامیة، ص ۱۲۵: مظہر بقاء، اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ (ادارہ تحقیقات اسلامی ۱۹۷۳ء)، ص ۹۸

۱۵- مفتی جمیل احمد تھانوی کے مسودہ کی اشاعت کا کام جاری ہے۔ اسی کی پہلی جلد اب لاہور سے شائع ہو چکی ہے

☆ اترکوا قولی بخبر الرسول ﷺ ☆ حدیث شریف کے مقابل میرے قول کو چھوڑ دو (ابو حنیفہ) ☆